June
2025

ماہنامہ

# پیامِ عرفات

رائے بریلی

## ذبح عظیم کیا ہے؟

”اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی غیر معمولی آزمائش کا صلہ یہ دیا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ ”ذبح عظیم“ سے دیا اور یہ ذبح عظیم محض یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانور ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا بلکہ یہ ”ذبح عظیم“ اپنی جسامت کے لحاظ سے، اپنی قیمت کے لحاظ سے اور اپنی شکل کے لحاظ سے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی تعداد نہیں بیان کرسکتا کہ اس سنت ابراہیمی کی تقلید میں آج تک کتنے جانور ذبح کیے جاچکے اور آئندہ نہ جانے کتنے کیے جائیں گے۔ دنیا میں اعداد وشمار کا کوئی محکمہ اور کوئی بڑے سے بڑا مؤرخ اور کوئی بڑے سے بڑا ماہر حسابیات بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب تک کتنے کروڑ اور کتنے ارب جانور ذبح ہوچکے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ”ذبح عظیم“ اپنے دوام کے لحاظ سے بھی، اپنی تعداد یعنی کمیت کے لحاظ سے بھی اور اپنی کیفیت کے لحاظ سے بھی قیامت تک رہے گا۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

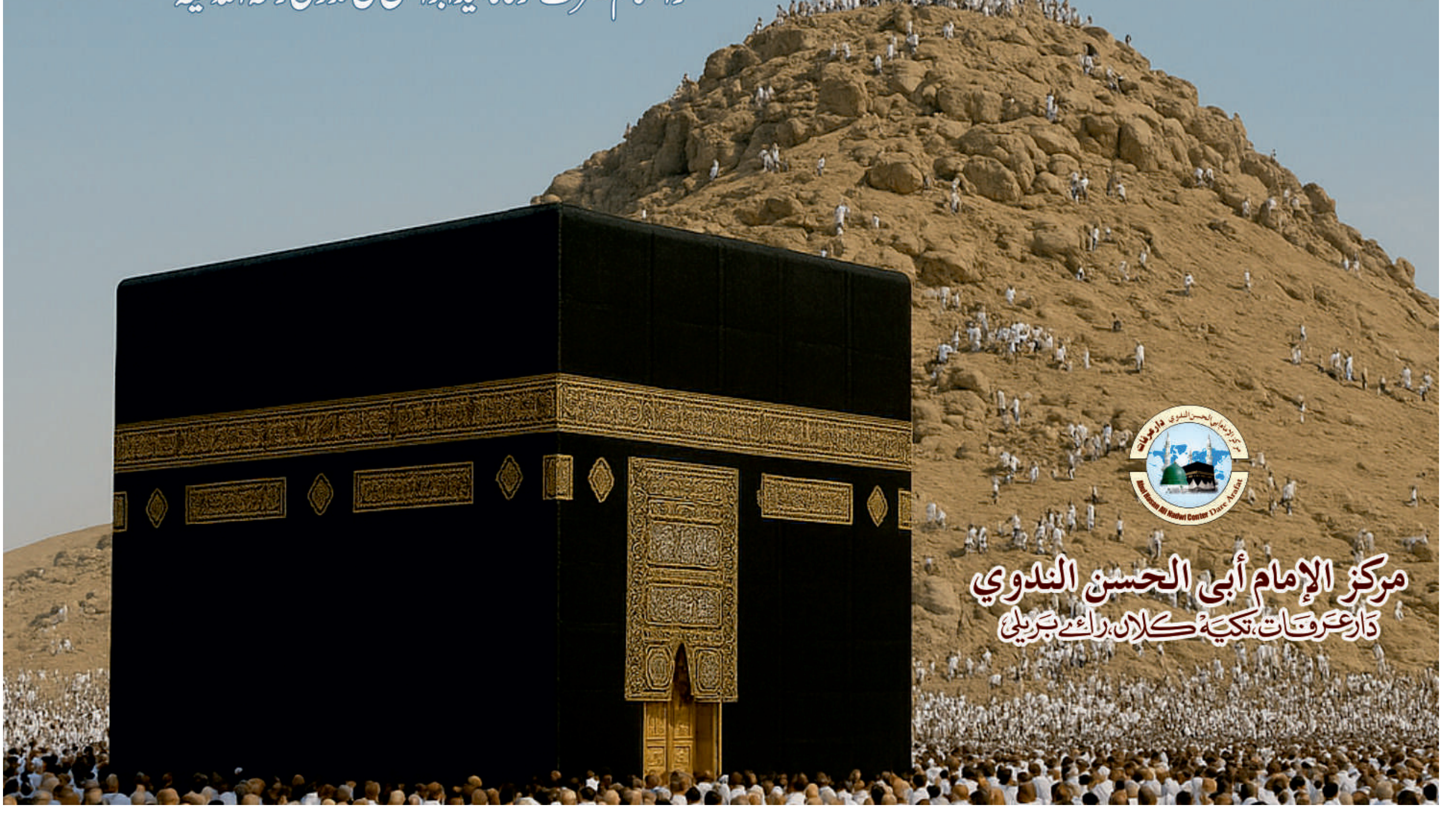

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

# قربانی کا تصور دیگر مذاہب اور اسلام میں

**علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ**

''بعض مذاہب میں خدا کی سب سے مرغوب عبادت یہ سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنی یا اپنی اولاد کی جان کو خواہ گلا گھونٹ کر، یا دریا میں ڈبو کر، یا آگ میں جلا کر، یا کسی اور طرح سے بھینٹ چڑھا دے۔ اسلام نے اس عبادت کا قطعی استیصال کر دیا اور بتایا کہ خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کرنا اصل میں یہ ہے کہ کسی سچائی کی حمایت میں، یا کمزوروں کی مدد کی خاطر اپنی جان کی پروانہ کی جائے اور مارا جائے۔ یہ نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹ لیا جائے، یا دریا میں ڈوب مرا جائے، یا آگ میں اپنے کو جلا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''جو شخص جس چیز سے اپنے آپ کو قتل کرے گا، اس کو جہنم میں اسی چیز سے سزا دی جائے گی۔''

کسی حیوان کی قربانی کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ اکثر مذاہب میں رائج تھا، عرب میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ جانور ذبح کر کے بتوں پر چڑھا دیا کرتے تھے، کبھی یہ کرتے تھے کہ مردہ کی قبر پر کوئی جانور لا کر باندھ دیتے تھے اور اس کو چارہ گھاس نہیں دیتے تھے، وہ اسی طرح بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا، اہل عرب یہ سمجھتے تھے کہ خدا خون کے نذرانے سے خوش ہوتا ہے، چنانچہ قربانی ذبح کر کے معبد کی دیوار پر اس کے خون کا چھاپ دیتے تھے۔ یہودیوں میں یہ طریقہ تھا کہ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت جلا دیتے تھے اور اس کے متعلق وہ جو رسوم ادا کرتے تھے، ان کی تفصیل صفحوں میں بھی نہیں سما سکتی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ قربانی خدا کی غذا ہے۔ بعض مذاہب میں یہ تھا کہ اس کا گوشت چیل اور کوؤں کو کھلا دیتے تھے۔ پیغام محمدیؐ نے ان سب طریقوں کو مٹا دیا، اس نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ اس قربانی سے مقصود خون اور گوشت کی نہیں بلکہ تمہارے دلوں کی غذا مطلوب ہے۔ فرمایا:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ﴾ (الحج: ۳۷)

(اللہ کے پاس قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔)

اسلام نے تمام عبادات میں صرف حج کے موقع پر قربانی واجب کی ہے اور اہل استطاعت کے لیے جو موقع حج پر نہ گئے ہوں، مقام حج کی یاد کے لیے قربانی مسنون کی گئی ہے تا کہ اس واقعہ کی یاد تازہ ہو، جب ملتِ حنفی کے سب سے پہلے داعی نے اپنے خواب کی تعبیر میں اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا کے سامنے قربان کرنا چاہا تھا اور خدا نے اس کو آزمائش میں پورا ہوتا دیکھ کر اس کی چھری کے نیچے بیٹے کی بجائے دنبے کی گردن رکھ دی اور اس کے پیروؤں میں اس عظیم الشان واقعہ کی سالانہ یادگار قائم ہو گئی۔'' (سیرۃ النبیؐ: ۵/ ۲۵-۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

# پیامِ عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارِعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ١٧ — جون ٢٠٢٥ء - ذی الحجہ ١٤٤٦ھ — شمارہ: ٦

## قربانی کی فرضیت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”یَا أَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّ عَلیٰ أَهْلِ کُلِّ بَیْتٍ فِی کُلِّ عَامٍ أُضْحَاةً.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(اے لوگو! بلاشبہ ہر (صاحبِ حیثیت) گھر والوں پر قربانی (ادا کرنا) ضروری ہے۔)

(مسند أحمد: ٢١٢٤٧)


**مجلس ادارت**

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمد حسن ندوی

**معاون ادارت**

محمد مکی حسنی ندوی
محمد امین حسنی ندوی
محمد ارمغان بدایونی ندوی



پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون:- Rs.150/-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

# فہرس


عیدقرباں کا پیغام (اداریہ)........................۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی........................
ذبح عظیم کی حقیقت اوراس کی مصلحت........................۴
حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ........................
عیدالاضحیٰ کا پیغام........................۶
حضرت مولانا سیدمحمد رابع حسنی ندویؒ........................
تقویٰ کیا ہے؟........................۸
بلال عبدالحی حسنی ندوی........................
ایلاء کے شرعی احکام........................۱۰
مفتی راشد حسین ندوی........................
قربانی کا پیغام........................۱۲
محمد امین حسنی ندوی........................
اسلامی وقف اور حکومت کا جارحانہ رویہ........................۱۴
محمد نجم الدین ندوی........................
فلسفہ حج........................۱۷
محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی........................
قربانی کا وسیع مفہوم اور عالمگیر پیغام........................۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی........................

## آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش

نتیجۂ فکر:۔ علامہ اقبالؒ

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لوگے سطوتِ رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سامان طیور
خون گل چیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

# عید قرباں کا پیغام

ملتِ ابراہیمی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ چند مخصوص ارکان وشعائر کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستقل دین، مستقل تہذیب اور مستقل شریعت ہے، اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں عقیدۂ توحید اور اخلاص کی روح سب سے بڑھ کر کارفرما ہے، یہی وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر حضرت ابراہیم علیہ السلام مشکل سے مشکل ترین امتحان وآزمائش میں بھی کھرے اترے اور ان کا ہر عمل ہمیشہ کے لیے ایک اسوہ بن گیا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی قربانیوں سے بھری ہوئی ہے؛ جان کی قربانی، مال کی قربانی، اہل وعیال کی قربانی لیکن ان قربانیوں کی اصل جان ان کا ایمان اور اخلاص ہے، جن کا اطمینان قلب مشاہدہ کے درجہ کو پہنچ گیا تھا، ان کے اسی اخلاص کا نتیجہ تھا کہ ان کی قربانیاں زندہ جاوید کر دی گئیں اور ان ہی کی نہیں؛ ان کے گھر والوں کی اداؤں کو بھی عبادت کی شکل دے دی گئی۔ عید الاضحیٰ کی قربانی بھی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، جب ان کو حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو اللہ کے لیے ذبح کریں، یہ سب سے سخت امتحان تھا، بیٹا بھی اطاعت شعار، سمجھ دار، خدمت گزار، سعادت کے آثار اس کی پیشانی پر ظاہر ہو رہے تھے، مگر حکم خداوندی تھا، بیٹا بھی اس کے لیے تیار ہو گیا۔

آج جہاں پر لاکھوں قربانیاں کی جاتی ہیں؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو وہاں لے گئے، الٹا لٹا کر اپنی دانست میں چھری چلا دی، بیٹے کی محبت اللہ کی محبت کے لیے قربان کر دی گئی اور یہی مطلوب تھا۔ اللہ کا حکم ہوا، ایک مینڈھا فرشتہ لے کر آیا اور اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اس کو لٹا دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ مینڈھا ذبح ہو چکا ہے اور بیٹا قریب کھڑا مسکرا رہا ہے، اللہ کو ان کی یہ قربانی اتنی پسند آئی کہ قیامت تک مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ قربانی کریں۔

آج جو جانور کی قربانی کی جاتی ہے، وہ حقیقت میں اسی عظیم قربانی کی یادگار ہے، مقصود صرف جانور کو قربان کر دینا نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ محبتِ الٰہی کے آگے ہر چیز کی محبت قربان کر دی جائے، حکم الٰہی کے آگے پھر کوئی چاہت نہ رہے، ایمان والا ہر طرح کی خواہشات سے؛ رسوم وعادات سے آزاد ہو کر ایک اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا: ﴿أَسْلِمْ﴾ تو حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا: ﴿أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اصل مطالبہ اسی طاعت وفرماں برداری کا ہے، جان ومال؛ عزت وآبرو سب اس خالق کے آگے قربان اور امتحان اس وقت ہوتا ہے جب ایک طرف حکم الٰہی ہو، فرمان نبویؐ اور دوسری طرف اندر کے تقاضے ہوں، ہر فکر وخیال اور خواہشات اور تقاضوں کو اس کے آگے فنا کر دینا اصل قربانی ہے، جب اللہ کا حکم اس وقت جانور کی قربانی کا ہے، پھر اس کے آگے عقل لڑانا اور سوچنا کہ اس سے بہتر ہے کہ کسی غریب کی مدد کر دی جائے، یہ بڑی خام خیالی کی بات ہے اور تفویض کے برخلاف ہے، ہم حکم کے پابند ہیں اور اسی کا نام بندگی ہے اور یہی بندگی راہ نجات ہے، جانور قربان کیے جائیں اور گلے پر چھری چلاتے وقت خیال ہو کہ ہم ہر محبت وچاہت کے گلے پر چھری چلا رہے ہیں، ہر محبت اللہ ورسول کی محبت کے آگے فنا ہے، یہی اصل قربانی کا پیغام ہے:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ﴾ (الحج: ۳۷)

(اللہ کو ان کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، ہاں! اس کو تو تمہارے (دل) کا تقویٰ پہنچتا ہے۔)

# ذبح عظیم کی حقیقت اور اس کی مصلحت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابراہیمؑ کے یہاں بڑی دعاؤں اور ارمانوں کے بعد بیٹا ہوا، انہوں نے اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھا، بیٹے سے باپ کا تعلق ہوتا ہی ہے، لیکن باپ سے بیٹے کا تعلق اس وقت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور اس میں بڑی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، جب وہ اس سے زیادہ ملتا رہے، اس کے ساتھ زیادہ وقت گذارے اور اس کے ساتھ کچھ چلنے پھرنے لگے۔ یہ فطری بات ہے کہ جس کے ساتھ جتنا وقت گذرتا ہے، اس کے ساتھ اتنا ہی علاقہ ہوتا ہے، جب تک لڑکا ماں کی گود میں ہے اور ماں کی نگرانی اور کفالت میں ہے، تب تک وہی لٹاتی ہے، اٹھاتی ہے، بٹھاتی ہے اور کھلاتی ہے، اس وقت تک باپ سے زیادہ ماں کا تعلق ہوتا ہے اور باپ کسی کسی وقت ہی دیکھتا ہے، باپ اور ماں میں ایک فرق تو یہی ہے کہ باپ ہمیشہ گھر میں نہیں رہتا، ہمیشہ بچے کی چارپائی کے پاس بھی نہیں رہتا اور اس کمرہ میں بھی ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس گھر میں بھی ہمیشہ نہ رہتا ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ قرآن مجید کا کوئی لفظ اعجاز سے خالی نہیں۔ آیت میں یہ فرمایا گیا کہ

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾

(جب وہ (بیٹا) ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔)

یعنی اب باپ کو بیٹے کی گرویدگی پیدا ہوئی کہ ہر وقت اس کی صورت دیکھنا، اس کو پیار کرنا اور اس پر پیار آنا، اس کی بھولی بھولی باتیں سننا اور محبت کا جوش پیدا ہو جانا اور کبھی کبھی بچہ کا باہر ساتھ جانا کہ ابا! ہم بھی ساتھ چلیں گے، اگر کبھی گھر سے باہر بازار کے لیے یا تھوڑے سے فاصلے کے لیے جانا ہوا تو اس کا بھی کبھی انگلی پکڑ کر اور کبھی دامن پکڑ کر ساتھ چلنا، گویا اب اصلی تعلق پیدا ہوا۔ ایسے ہی موقع پر آ کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ (اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔)

اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وحی کے ذریعہ سے صاف صاف نہیں کہا گیا، - بہت کم لوگوں نے اس پر غور کیا ہے- ایک صورت یہ بھی تھی کہ حضرت ابراہیم پر وحی آتی کہ اسمٰعیل کو قربان کر دو اور اس میں کوئی گنجائش باقی ہی نہ رہ جاتی، لیکن خواب کا معاملہ ایسا ہے کہ آدمی اس کی تاویل کرسکتا ہے اور یہ سوچ سکتا ہے کہ خواب تو خواب ہی ہے مگر محبت وعشق اور اخلاص کے اظہار کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بالکل سرافگندہ ہو جائے، اپنے کو بالکل حوالے کر دے، اس کے ہر اشارہ کو حکم سمجھے اور اس کے ہر ایماء کو نص سمجھے بلکہ اس کے ہر ایماء واشارہ کو بھی نص صریح کا درجہ دے، تاہم یہ بڑی محبت، اطاعت کلی اور فدویت کو چاہتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے انتہائی مشکل اور نازک موقع تھا، یہ وہی بیٹا تھا جو بڑی دعاؤں اور ارمانوں سے پیدا ہوا تھا، اس کو نبی آخر الزماں کا جد امجد ہونا تھا اور سچ پوچھئے تو حضرت ابراہیم پر کسی نہ کسی طریقہ سے یہ راز منکشف بھی ہو گیا تھا، مثل مشہور ہے: ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔''

یہ بات بالکل یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کا نور پوری دنیا میں پھیلے گا۔ سچ پوچھئے تو آج دنیا میں جو عقیدۂ توحید ہے اور جو دین حنیف ہے اور جو دین صحیح ہے، اس کی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو ختم ہوتی ہی ہے لیکن ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (حضور ﷺ کے جد امجد) بھی اس تاریخ کا ایک اہم اور بنیادی کردار ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے، لیکن اللہ کی طرف سے امتحان دیکھیں کہ وہ بیٹا جو بڑی امیدوں کے بعد پیدا ہوا، وہ بیٹا کہ اگر دوسرے بھی دیکھیں تو ان کا تعظیم کرنے کو جی چاہے، گود میں لینے کو جی چاہے اور پیشانی کو بوسہ دینے کو جی چاہے، ایسا ہونہار بیٹا جس کے چہرے سے نجابت، ہونہاری اور ترقی کے آثار صاف نظر آرہے ہوں، جب وہ حضرت ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگتا ہے، اس وقت حکم الٰہی ہوتا ہے اور اس کے لیے بھی غیب سے کوئی صاف صاف آواز نہیں آتی، یا کوئی فرشتہ آکر یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے لخت جگر کو ذبح کر دیجیے بلکہ خواب میں یہ دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔شاید اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ یہی کہتا کہ بھئی! خواب کا کیا اعتبار ہے، خواب تو ہر طرح کے دکھائی دیتے ہیں، محض خواب کی بنا پر اتنا بڑا کام کہ بیٹے کو ذبح کر دیں، یہ ممکن نہیں ہے لیکن یہاں تو معاملہ ہی ایک عاشق و معشوق اور ایک محبّ و محبوب کے درمیان تھا، یہ معاملہ اللہ اور خلیل اللہ کے درمیان تھا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان جو تعلق ہے وہ تعلق ہر دو کے درمیان نہیں ہوتا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس واقعہ میں ایک ایک چیز اعجاز کی ہے۔ دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی کسی کے متعلق برا ارادہ کرے اور پھر اسی سے یوں کہے کہ ہم نے تمہیں بہت دنوں سے مارا نہیں ہے، آج تمہیں مارنے کو جی چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کوئی کسی سے نہیں کہتا، یہاں تک کہ ایک تجربہ کار استاد بھی ایسا نہیں کہتا، چہ جائیکہ کوئی آدمی خواب کی بنیاد پر کسی سے ذبح کرنے کی بات کہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اس بچہ کے سامنے اس بات کو بتانے میں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے پوری دنیا میں عقیدۂ توحید اور دین خالص پھیلے گا، گویا ان کو اسی وقت یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بچہ اس بات سے نہیں گھبرائے گا، گرچہ یہ بات کسی تفسیر میں نہیں لکھی ہے لیکن یہ خود آدمی اپنے قیاس و تجربہ سے سمجھ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بے خوف ہو کر کہا:

﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ (اے میرے (لاڈلے) بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں (میں بار بار دیکھتا ہوں) کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں تو تم بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے؟)

سچی بات یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ کو اس بات کا اطمینان نہ ہوتا کہ میرا بیٹا اس حکم کے آگے فوراً سر تسلیم خم کر دے گا، تو شاید وہ ان سے یہ سوال کبھی نہ پوچھتے، اس لیے کہ کوئی ایسی بات جس کی نسبت خدا کی طرف ہو اور جس کا خدا کی طرف سے اشارہ ہو، اس میں آدمی مشورہ نہیں کرتا بلکہ ایسی صورت میں مشورہ اسی وقت کرتا ہے جب اس کو سو فیصد یہ یقین ہو کہ وہ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا۔اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: بیٹا! عجیب بات ہے میں خواب میں بار بار دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ ظاہر ہے یہ بڑی آزمائش کا موقع تھا، لیکن فرماں بردار فرزند نے جواب دیا:

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ (ابا جان! اس کو آپ کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے، مجھے آپ دیکھیں گے میں صابر ہوں۔)

گویا حضرت اسماعیلؑ نے زبان حال سے یہ کہا کہ اے ابا جان! مجھے تعجب ہے کہ اتنے بڑے پیغمبر ہونے کے بعد آپ مجھ سے پوچھتے ہیں؟ یہ کوئی پوچھنے یا کہنے کی بات ہی نہیں ہے اور چونکہ آپ نے مجھ سے یہ بات پوچھی ہے، اس لیے کہہ رہا ہوں ورنہ یہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی بلکہ آپ خود ہی دیکھ لیتے کہ میں کس طرح صابر ہوں۔

اصل مقصود حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرانا نہیں تھا، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے سے جو محبت پیدا ہو گئی تھی، اس میں اس بات کا امکان اور شبہ کا یہ موقع تھا کہ کہیں وہ محبت خدا کی محبت کا ہمسر نہ ہو اور اس کے سامنے بعض اوقات اوامر الٰہی پر عمل مشکل نہ ہو، اس لیے اس کو ذبح کرنا ضروری تھا اور جب انہوں نے خدا کے لیے ان کے گلے پر چھری رکھ دی تو وہ محبت ذبح ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے اس میں کوئی کسر باقی نہ رہی، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی، شاید ہی اتنی بڑی آزمائش اس سے پہلے ہوئی ہو۔

# عید الاضحیٰ کا پیغام

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ؒ

ہر مذہب اور ہر قوم میں کچھ مخصوص ایام جشن اور تہوار کی حیثیت رکھتے ہیں جو اپنے اندر اپنے ماننے والوں کے لیے خوشی اور مسرت لیے ہوتے ہیں جنہیں انسان اپنی زندگی کے مسرت آگیں، سرور آمیز اور لذیذ ترین ایام شمار کرتا ہے۔ یہ ایام قومی اور ملی ایسی یادگاروں سے وابستہ ہوتے ہیں جو انسان کو جذبات خوشی و مسرت کے اظہار پر آمادہ کرتے ہیں، جو ان کے جذبات واحساسات سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب اور اقوام میں ایسے تہواروں کی تعداد بہت ہے، ان کے یہاں ہر چھوٹا بڑا واقعہ تہوار کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اسلام میں عید جیسی خوشی منانے کے لیے صرف دو مواقع رکھے گئے ہیں، ان دو عیدوں کے علاوہ جو دیگر مواقع ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ تقاضوں اور خصوصیتوں سے مربوط بنایا ہے، یہ تقاضے انسانی زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے اور ان سے اپنے کو ہم آہنگ بنانے سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے رمضان کا مہینہ جس میں کھانے پینے اور بہت سی ان حلال چیزوں سے رکنا پڑتا ہے جو رمضان کے علاوہ اور دنوں میں حلال ہیں، یہ پابندی دن بھر کے لیے ایک ماہ تک رہتی ہے، اس پابندی میں ایک نہایت نیک انسانی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کیونکہ روزہ دار انسان اپنے کو ایک مہینہ تک روزانہ دن بھر کے لیے غذا سے محروم انسانوں کے زمرے میں داخل کر لیتا ہے اور اس طرح وہ بدنصیب اور محروم انسانوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے خود عملی طور پر گذر کر واقفیت حاصل کرتا ہے، اس کی یہ واقفیت عملی اور مشاہدہ والی ہوتی ہے، سنی سنائی اور دور کی نہیں ہوتی۔

یہ دو عیدیں جو اللہ نے مسلمانوں کو مرحمت فرمائی ہیں، ان میں سے ایک تو ''عید الفطر'' کہلاتی ہے جو رمضان کا مہینہ پورا ہوتے ہی آتی ہے جسے روزہ دار اپنے پروردگار کی رضا جوئی کے لیے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں گذارتا ہے اور کھانے پینے اور مرغوب و حلال اشیاء کے استعمال سے رک کر ایک طرح سے مشقت کے ساتھ اور اپنے جیسے دوسرے بہت سے بدنصیب اور انسانی سہولتوں سے محروم انسانوں کے احساسات و شعور میں شریک ہو کر گذارتا ہے، پورا ایک مہینہ ان کاموں میں گذارنے کے بعد عید کے روز روزوں کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کی رضا اور خوشی کے حصول کے ساتھ ساتھ ایک بڑا قلبی سکون و راحت بھی محسوس کرتا ہے۔

دوسری عید ''عید الاضحیٰ'' کہلاتی ہے جو عید الفطر کے دو ماہ دس دن بعد آتی ہے، یہ اپنے ساتھ قربانی اور جاں سپاری کی یادوں کی وہ سوغات بھی لاتی ہے جو ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور میں پیش کی تھی اور جو قربانی اور جاں نثاری کی شاندار مثال تھی، انہوں نے اللہ کے لیے یہ قربانی کئی چیزوں کی دی، وطن کی محبت، بیوی کی محبت اور شیر خوار بچے کی محبت، ان سب کی قربانی دی، اولاً اپنا محبوب وطن چھوڑا، پھر اپنے دو محبوب تعلق والوں یعنی بیوی اور بیٹے کو محض اپنے رب کے حکم کی بجا آوری میں ایک دور کے بے آب و گیاہ صحراء میں لے جا کر چھوڑا اور جب ان سے اس کی بابت پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے اور یہ اس کے حکم کی تعمیل میں ہے۔

ان کی اس عظیم قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور قیامت تک کے لیے اس کو زندہ جاوید اور یادگار بنا دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس قربانی کو ہمیشہ یاد رکھیں، ہر سال اس کی یاد منائیں اور اس کی قدر شناسی کے اظہار کا اہتمام کریں اور اس سے مشابہت رکھنے والی قربانی پیش کر کے ہمہ وقت اس قربانی کو اپنے ذہن و دماغ میں مستحضر رکھیں اور اس عظیم المرتبت انسانی شخصیت کے ساتھ اپنے تعلق و انتساب پر اللہ کا شکر ادا کریں، اس طرح یہ دن رب العالمین کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کے اظہار اور اس میں کامیابی پر خوشی منانے کا دن ہے۔

عید الاضحیٰ کے یہ چند مخصوص ایام اس بات کے بجا طور پر مستحق

ہیں کہ اہل ایمان ان کی خوشی منائیں اور یہ خوشی ان کے قائد و رہبر اور امام اکبر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی عبدیت کے اظہار اور رب العالمین کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے بجائے امتحان میں کامیابی کی خوشی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کو خوشی و مسرت کے ایام قرار دیا ہے اور اس قربانی کی یاد میں اس کے مقام مکہ مکرمہ جانے اور بعض ظاہری شکلوں میں اس عظیم واقعہ سے اپنے تعلق کے اظہار کو مشروع فرمایا ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں حج کرنا کہتے ہیں، اس فریضہ کی ادائیگی کی استطاعت رکھنے والا مؤمن بندہ اس عظیم تاریخی مقام کی طرف عاشقانہ اور والہانہ انداز میں جاتا ہے اور اس کی زبان پر ملکوتی و لاہوتی نغمہ ہوتا ہے:

”لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك“

وہ بار بار اس کی تکرار کرتا ہے اور تین روز انہی مقدس مقامات پر گذارتا ہے اور عید الاضحیٰ کے روز اور اس کے دو روز بعد تک اکل وشرب اور پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے، اس سے اسے ایک طرح کی عجیب قلبی خوشی محسوس ہوتی ہے، یہ خوشی دہری ہوتی ہے جس میں پروردگار کی رضا اور عید کی خوشی دونوں شامل ہوتی ہیں کہ عبادت بھی ہو رہی ہے اور خوشی کا اظہار بھی ہو رہا ہے اور پھر وہ اس بے مثال روحانیت سے جو وہ بیت اللہ شریف سے لے کر آتا ہے، اپنے قلب و روح کی غذا کا سامان تیار کرتا ہے، بیت اللہ شریف دنیا کے بے شمار بت کدوں کے درمیان سب سے پہلا خانہ خدا تھا جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ربِّ واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا، وہ لوگوں کے لیے باعث امن وسلامتی اور ان کے لیے ملجا و ماویٰ بنا، وہاں جانے والا اس گھر کے جلال و جمال دونوں سے شادکام ہوتا ہے، یہ گھر اپنا دیدار کرنے والے کے قلب کو سکون و اطمینان اور سرور آمیز لذت و سرخوشی سے بھر دیتا ہے اور جو لوگ وہاں تک جانے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں وہ اس دن کو اس کے شوق اور اس قربانی کی یاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہونے والی کامیابی کی خوشی میں گذارتے ہیں، اس طرح وہ قربانی کی بھی یاد مناتے ہیں اور جو ان سے ہو سکتا ہے اس کی قربانی بھی پیش کرتے ہیں یعنی ماکول اللحم جانور کی قربانی جس سے ضرورت مند فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس قربانی کی یاد سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور دوگانہ شکر ادا کر کے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے گھروں سے عیدگاہوں کی طرف جاتے اور واپس آتے ان کی زبانوں پر کلماتِ تکبیر ”اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، وللہ الحمد“ جاری و ساری رہتے ہیں، اسی قربانی کی مناسبت سے اس عید کا نام عید الاضحیٰ پڑا، کیونکہ اس میں مسلمان اپنے پروردگار کے شکرانہ اور اس کے حکم کی تعمیل میں قربانی پیش کرتا ہے اور بیتِ عتیق میں حاضری دینے کے لیے تلبیہ پڑھتا اور لبیک اللہم لبیک کہتا ہے، جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور اپنے محبوب بیٹے کے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا اور اسی کے قریب منی میں اپنے اسی جگر گوشہ حضرت اسماعیلؑ کی محبت وتعلق کی عظیم قربانی پیش کی تھی، اللہ نے یہ قبول فرمائی اور تا قیامت اسے ایک یادگار بنا دیا اور اپنے نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس گھر تک آنے اور اس میں عبادت کرنے کی دعوت دیں۔ ارشاد ہے:

”اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو، وہ پیدل بھی آئیں گے اور ایسی دبلی پتلی اونٹنیوں پر بھی آئیں گے جو ہر دور دراز راستوں سے چلی آتی ہوں گی تاکہ وہ اپنے فائدوں کے لیے حاضر رہیں اور معلوم دنوں میں چوپایوں میں سے ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دیئے ہیں تو اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر انھیں چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کر لیں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم (ترین) گھر کا اہتمام کے ساتھ طواف کریں۔“

یہ سارے کام اجتماعی خوشی و مسرت کی فضا میں انجام دیئے جاتے ہیں، اس طرح یہ بیت اللہ کا حج کرنے والے حاجی اور وطن میں مقیم بندۂ مؤمن دونوں کے لیے ایک بے مثال اعلیٰ قسم کی عید ہوتی ہے، حاجی بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہے، صفا اور مروہ کی سعی کرتا ہے اور وطن میں رہنے والا قربانی دے کر اور دوگانہ ادا کر کے اس کی یاد مناتا ہے، مبارک ہو حاجیوں کو حج اور مسلمانوں کو عید الاضحیٰ!

# تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

## حسن اخلاق کے تین مراحل:

”خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ“

(اچھے اخلاق کے ساتھ لوگوں سے پیش آؤ۔)

حدیث میں ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اخلاق کے سلسلہ میں بعض مرتبہ بڑی غلط فہمی ہوتی ہے، اخلاق صرف یہ نہیں ہے کہ آدمی ظاہری طور پر اچھے چہرے بشرے اور خندہ پیشانی سے ملے، یقیناً یہ اخلاق کا ایک بڑا حصہ ہے لیکن صرف یہی اخلاق نہیں ہے۔ اخلاق میں ”کف الأذیٰ“ بھی شامل ہے کہ کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے، اگر کسی کو اس سے تکلیف پہنچ رہی ہے اور پھر وہ بہت با اخلاق بھی نظر آرہا ہے تو یہ اخلاق نہیں ہے، یہ اخلاق کا دکھاوا ہے، حقیقت میں اخلاق تب ہوگا جب پہلا مرحلہ یہ طے ہو کہ اس کے ذریعہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اخلاق کا دوسرا مرحلہ ”بسط الوجہ“ ہے کہ جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچا رہا ہے تو اخلاق بھی اختیار کرے، لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اچھے اخلاق سے پیش آئے اور مسکرا کر ملے جس کا حدیث میں کئی جگہ ذکر آیا ہے، ایک جگہ فرمایا کہ

”أن تلق أخاك بوجه طلق“

(تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔)

اس حدیث میں اچھے چہرے کے ساتھ مسکرا کر ملنا صدقہ بتایا گیا ہے اور یہ بھی اخلاق کا ایک بڑا حصہ ہے، حاصل یہ کہ آدمی کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور وہ جس سے بھی ملے تو خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، تاہم اخلاق کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ اخلاق میں ”بذل المعروف“ بھی شامل ہے یعنی آدمی ضرورت مندوں کے کام آئے، وہ لوگوں کی جو خدمت کر سکے وہ کرے اور دوسروں کی راحت کا ذریعہ بنے۔ جب یہ تینوں باتیں ہوں گی تب اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔

عام طور ہوتا یہ ہے کہ ہم اخلاق کا مظاہرہ خوب کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت نہیں ہوتی، جیسے ایک جگہ حدیث میں کہا گیا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے گا کہ

”ألسنتهم أحلى من العسل وقلوبهم قلوب الذئاب“

(ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے ہوں گے۔)

ایسے لوگ جب بات کریں گے تو معلوم ہوگا کہ پھول جھڑ رہے ہیں، تقریر کریں گے تو ماشاء اللہ بڑی شاندار کریں گے، آپسی مجلس کی گفتگو ہوگی تو لگے گا کہ کیا کہنے! لیکن دلوں کے اندر نہ جانے کیا کیا بھرا ہوگا، ان کے دل بھیڑیوں کے ہوں گے، وہ بس یہی چاہیں گے کہ کسی طرح ہم کو فائدہ حاصل ہوتا رہے، ہم ان کی جیب پھاڑ کر نکال لیں یا دل چیر کر نکال لیں، جو کچھ ہو وہ ہمیں مل جائے، تو یہ آخری درجہ کی بداخلاقی ہے۔ اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو فائدہ پہنچائے، دوسروں کی راحت کا ذریعہ بنے، وہ صرف زبان سے فائدہ نہ پہنچائے اور صرف زبان سے اخلاق نہ برتے بلکہ حقیقت میں دوسروں کے لیے مفید بنے، اس کے اندر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا مزاج ہو، یہ اصل اخلاق کی بات ہے۔

## اخلاق کا تقاضا:

اجتماعی زندگی میں اس اخلاق کو برتنے کے بے شمار مواقع ملتے ہیں، خاص طور پر جن گھروں میں جوائنٹ فیملی ہوتی ہے وہاں بہت مواقع ملتے ہیں، بعض مرتبہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں میں آدمی دھوکہ کھاتا ہے، کسی جگہ گلاس رکھنا ہے اور سب لوگ وہیں پانی پیتے ہیں مگر ایک شخص آیا اور وہ پانی پی کر اپنے کمرہ میں گلاس لے کر چلا گیا، یا

دوسری جگہ رکھ دیا، حضرت تھانویؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ گناہ کی بات ہے، اس لیے کہ جہاں گلاس رہتا ہے، وہاں کوئی دوسرا بھی پانی پینے آئے گا، اس کو گلاس نہیں ملے گا تو اس کو تکلیف ہوگی اور ایذائے مسلم حرام ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے ورنہ اس طرح کے دسیوں قصے پیش آتے رہتے ہیں کہ بعض چیزیں سب کے استعمال کی ہوتی ہیں، ان کو ایک جگہ رکھنا ہوتا ہے، مگر آدمی لا ابالی پن میں ایک جگہ نہیں رکھتا، تو یہ تکلیف پہنچانے والی بات ہے اور راحت پہنچانے والی بات یہ ہوتی ہے کہ آدمی دوسروں کو ترجیح دے، دوسروں کی راحت کا ذریعہ بنے۔ گرمیوں کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہر آدمی یہی سوچتا ہے کہ پنکھے کے نیچے ہم کھڑے ہوں، لیکن ایسے میں اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو ترجیح دے اور یہی وہ عمل ہے جس پر اجر ملتا ہے، البتہ اگر اس کے برعکس کرے گا تو یہ خطرناک بات ہے، ایک آدمی پہلے سے کسی جگہ پر مسجد میں بیٹھا ہے اور دوسرا آ کر زبردستی پنکھے کے نیچے آرام کی خاطر کھڑا ہونے کی کوشش کرے تو یہ یقیناً خود غرضی کی بات ہے جو اسلام میں انتہائی درجہ ناپسندیدہ ہے۔

آدمی اپنی ذاتی زندگی میں اور سب سے بڑھ کر اجتماعی زندگی میں چاہے وہ گھر کی اجتماعی زندگی ہو یا باہر کی زندگی ہو، ہر جگہ وہ اپنا فائدہ دیکھنا چاہتا ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا، حالانکہ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جو بھی بھلائی کر سکتا ہو اور دوسروں کو جو بھی راحت و آرام پہنچا سکتا ہو، اس میں وہ کوتاہی نہ کرے۔ اخلاق کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی خندہ پیشانی سے مل لے بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ دوسروں کو تکلیف بھی نہ پہنچائے بلکہ دوسروں کی راحت کا ذریعہ بنے، اگر کوئی موقع آئے تو وہ ان لوگوں کو آرام پہنچانے کے لیے جو سامان کر سکتا ہو وہ ضرور کرے، یہ اصل اخلاق کا تقاضا ہے اور اس زمانہ میں اس کی بہت کمی ہے، اس وقت لوگوں کے اخلاق بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس وقت سماج میں اسلامی اخلاق کا نمونہ نظر نہیں آتا۔

## اخلاق نبویؐ:

اللہ کے نبی ﷺ کے بارے میں خود قرآن مجید کی گواہی ہے:

﴿إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

(یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔)

آپ ﷺ کے اخلاق کی مثالیں تو ایسی ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جائیں، آپ ﷺ کو جو شہید کرنے کے لیے آیا' آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ فضالہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ﷺ طواف کر رہے ہیں، وہ تیر کوز ہر میں بجھا کر آیا اور آپ کا پیچھا کرنے لگا، آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوئی، آپ نے فرمایا: کہو میاں فضالہ! کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ بس یوں ہی کسی سے کام آ گیا۔ آپ نے فرمایا: میاں! سچ سچ بتاؤ۔ بس اسی وقت اس کا دل بدل گیا۔ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو اس نے جس جمال اور جس انداز سے دیکھا' اس کے دل پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا، پھر اس نے کہا کہ میں غلط نیت سے آیا تھا لیکن اب تو میں ایمان لانا چاہتا ہوں اور اس وقت مجھے آپ سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، اس سے پہلے جب میں یہاں نہیں آیا تھا تو اگر کسی سے انتہائی درجہ دشمنی رکھتا تھا' وہ آپ کی ذات تھی، لیکن اب عالم یہ ہے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ رہا، اس پر آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔

اس سے بھی بڑھ کر غزوۂ ذات الرقاع کا واقعہ ہے کہ ایک شخص قتل کے ارادہ سے آیا، اس نے کہا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے کہا: اللہ! تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا: آپ تو بڑے شریف اور اچھے ہیں، آپ نے فرمایا: تم ایمان قبول کر لو۔ اس نے کہا: میں ایمان نہیں لا سکتا۔ اب اگر آپ ﷺ چاہتے تو زبردستی کرتے مگر آپ ﷺ نے کہیں زبردستی نہیں کی، بس ایک دفعہ آپ نے کہا، جب اس نے منع کیا تو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ جلدی چلے جاؤ، کہیں تم کو کوئی دیکھ نہ لے اور وہ تمہیں پریشان نہ کرے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ کون کرے گا کہ ایک شخص قتل کرنے آئے اور اس کو چھوڑ دیا جائے۔

# ایلاء کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

## ایلاء کے معنی:

ایلاء کے لفظی معنی قسم کھانے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں ایلاء یہ ہے کہ شوہر چار مہینے یا اس سے زیادہ تک کے لیے اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کرنے کی قسم کھالے۔ (فتح القدیر:۴/۴۰)

ایلاء کو زمانہ جاہلیت میں طلاق کی ایک قسم سمجھا جاتا تھا۔ (ہدایہ مع الفتح:۴/۴۳)

جس میں شوہر طویل عرصے مثلاً: سال دوسال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے تک کے لیے قربت اختیار نہ کرنے کی قسم کھالیتا تھا جس کی وجہ سے عورت معلقہ بن کر رہ جاتی تھی، لہٰذا شریعت اسلامیہ نے اس ظلم کو ختم کر دیا اور قرآن میں مندرجہ ذیل احکام نازل کیے گئے:

﴿لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآؤُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ☆ وَإِنْ عَزَمُواْ الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرة: ٢٢٦-٢٢٧) (جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے انتظار کی مدت ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیتے ہیں تو بے شک اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔)

چونکہ اصطلاحی ایلاء اسی وقت ہوتا ہے جب چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک کے لیے عورت سے ہم بستری نہ کرنے کی قسم کھالے، لہٰذا اگر چار مہینے سے کم کی قسم کھائی یا قسم کھائے بغیر چار مہینے یا اس سے زیادہ عرصے تک ہم بستری نہ کی تو اس کے اوپر آگے آنے والے ایلاء کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔

## ایلاء کا رکن:

ایلاء کا رکن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں سے کسی سے قسم کھا کر کہے کہ میں چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا، یا قسم تو نہ کھائے لیکن شرط و جزا استعمال کرے مثلاً: کہے کہ اگر میں چار مہینے کے دوران بیوی سے جماع کروں تو مجھ پر حج لازم ہوگا، یا اتنا اتنا صدقہ دینا لازم ہوگا۔

(بدائع:۴/۲۵۴)

## ایلاء کے احکام:

احناف کے نزدیک ایلاء کا حکم یہ ہے کہ ایلاء کرنے کے بعد اگر چار مہینے تک بیوی سے صحبت نہیں کی تو چار مہینے گذرتے ہی بیوی کے اوپر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر چار مہینے کے دوران بیوی سے صحبت کر لی تو شوہر کے اوپر قسم والا کفارہ لازم ہوجائے گا، یعنی یا تو دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار میں یعنی ہر ایک کو ایک کلو ۶۳۳ گرام گیہوں یا اس کی قیمت دے دے، یا دس مسکینوں کو ایک ایک جوڑ کپڑا دے دے اور اگر ان چیزوں کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین دن روزہ رکھے: ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾ (المائدة: ٨٩)

اور پھر بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (شامی:۲/۵۹۳)

کچھ ایسے الفاظ جن سے شوہر ایلاء کرنے والا قرار دیا جاتا ہے:

(۱) اگر شعبان کے مہینے میں قسم کھائی کہ جب تک میں

عاشوراء کا روزہ نہ رکھ لوں، بیوی سے جماع نہیں کروں گا تو یہ شرعی ایلاء ہوگا۔

(۲) اگر بچہ شیر خوار ہو اور دودھ چھوڑنے میں چار مہینے یا اس سے زیادہ باقی ہوں اور شوہر قسم کھا کر کہے کہ بچہ کے دودھ چھوڑنے تک قربت اختیار نہیں کروں گا تو یہ شرعی ایلاء ہوگا۔

(۳) اگر بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم! میں تجھ سے کبھی بھی صحبت نہیں کروں گا، پھر چار مہینے تک اس نے صحبت نہیں کی، تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اس کے بعد اگر بیوی نے عدت گذرنے کے بعد دوسرے شخص سے شادی کرلی پھر اس سے طلاق اور عدت کے بعد پہلے شوہر کے پاس آئی، تو چونکہ پہلے شوہر نے دائمی ایلاء کیا تھا، لہٰذا ایلاء کا حکم پھر لوٹ آئے گا اور اگر شوہر نے چار مہینے کے دوران صحبت کی تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو جائے گا اور اگر چار مہینے تک صحبت نہیں کی تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اور یہی تیسری بار بھی ہوگا، پھر تیسری طلاق کے بعد اگر وہ عدت گذرنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر طلاق وعدت کے بعد پہلے شوہر کے پاس لوٹ کر آئے، تو اب پہلے ایلاء کا حکم ختم ہو جائے گا اور چار مہینے کے دوران نہ تو صحبت کرنے سے کفارہ ہوگا، نہ چار مہینے تک صحبت نہ کرنے سے طلاق۔

(ہدایہ:۴/۴۶)

## اگر ایلاء کرنے کے بعد وطی کرنے سے عاجز ہوگیا:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا پھر وہ کسی وجہ سے چار مہینے کے دوران اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ رہا، جس کی وجہ سے "فَـیء" (یعنی رجوع) ہو جاتا مثلاً: وہ یا اس کی بیوی کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور بیماری چار مہینے تک رہی، جس کی وجہ سے صحبت کرنا ممکن نہیں رہا، یا وہ کسی لمبے سفر پر چلا گیا، یا ناحق جیل میں بند کر دیا گیا، تو ان تمام صورتوں میں وہ صحبت کیے بغیر زبانی یا تحریری طور پر رجوع کرلے تو احناف کے نزدیک یہ رجوع معتبر ہوگا، لیکن اگر چار مہینے کے دوران وہ جماع پر قادر ہو گیا، تو اب یہ زبانی یا تحریری رجوع کالعدم ہو جائے گا اور رجوع کرنے کے لیے جماع کرنا ضروری ہو جائے گا۔ (شامی:۲/۶۰۰)

یہ بھی خیال رہے کہ اگر اس نے دائمی ایلاء کیا ہو تو چار مہینے گذرنے کے بعد اس عذر کی وجہ سے طلاق تو نہیں پڑے گی، لیکن عذر ختم ہونے کے بعد جب بھی اس سے صحبت کرے گا، قسم کا کفارہ دینا پڑے گا، اس لیے کہ دائمی ایلاء رہا ہو تو قسم اب بھی باقی ہے۔

(أیضاً، ص:۵۹۹)

جب قسم کے بجائے شرط وجزاء سے ایلاء کیا پھر چار مہینے کے دوران وطی کرلی تو کیا لازم ہوگا؟

اوپر گذر چکا ہے کہ جس طرح قسم کھانے سے ایلاء ہو جاتا ہے، اسی طرح شرط وجزاء سے بھی ایلاء ہو جاتا ہے مثلاً: کہے کہ اگر میں چار مہینے کے دوران تم سے وطی کروں تو مجھ پر حج ہوگا، یا عمرہ ہوگا، یا اتنا اتنا صدقہ لازم ہوگا وغیرہ، پھر اگر وہ اس ایلاء کے بعد چار مہینے کے دوران وطی کرلے تو اس نے جو جزاء مقرر کی ہے خواہ وہ پوری کرے یعنی حج وعمرہ کرے یا صدقہ کرے، یا اگر چاہے تو کفارۂ یمین دے، اسے دونوں کے درمیان اختیار رہے گا۔

(شامی:۲/۵۹۵)

## مطلقہ بیوی سے ایلاء:

اگر کوئی شخص اس بیوی سے ایلاء کرے جس کو اس نے طلاق رجعی دے دی تھی تو ایلاء ہو جائے گا اور اگر طلاق بائن دے رکھی تھی تو ایلاء نہیں ہوگا اور اگر مطلقہ رجعیہ کی عدت چار مہینے مکمل ہونے سے پہلے پوری ہو جائے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

(ہدایہ مع الفتح:۴/۵۲)

# قربانی کا پیغام

محمد امین حسنی ندوی

عشق ومحبت کا قربانی جاں نثاری وجاں فشانی سے گہرا رشتہ ہے، ہر محبت ثبوت کے طور پر قربانی چاہتی ہے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے یا تو قربانی پیش کر کے اپنے دعویٰ میں کامیاب ہوتے ہیں، یا پھر نہ پیش کر سکنے کی صورت میں اپنی محبت کو شرمندہ کرتے ہیں اور خود عشق کے دربار میں رسوا ہوتے ہیں، کیوں کہ دعویٰ کے لیے ثبوت کی وہی اہمیت ہے جو بھوکے کے لیے غذا کی ہے، پیاسے کے لیے پانی کی ہے، اگر کوئی پیاس کی شدت کا اظہار کرے اور پانی کے حصول کی کوشش نہ کرے تو اس کو اپنے دعویٰ میں جھوٹا سمجھا جائے گا، تاریخ انسانی قربانی کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنھوں نے راہِ عشق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، ان کا نام عشق کی علامت بن گیا، مگر وہ سب لا حاصل محبت کے پیچھے بھاگ رہے تھے، انہوں نے عشق مجازی کو متاعِ جاں سمجھ لیا تھا۔ تاریخ کے صفحات میں محفوظ تو ہوگئے، ان کا نام عشق مجازی کا استعارہ بن گیا، لیکن اختتام 'نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم' پر ہوا۔

اس کے برعکس اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو عشق حقیقی کو متاعِ جاں بناتے ہیں، جن کی بلند نگاہ دنیا کی سطحی چیزوں پر نہیں ٹھہرتی بلکہ عرش پر جلوہ افروز خدائے بزرگ و برتر پر جا کر ٹھہر جاتی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو عشق حقیقی میں فنا ہو جاتے ہیں، وہ فنا فی اللہ ہوتے ہیں مگر بقاء باللہ کا تمغہ پا لیتے ہیں، عشق حقیقی کی راہ میں دی جانے والی قربانیوں کی اس روشن اور طویل تاریخ میں ایک قربانی ایسی ہے جس کے سامنے تمام قربانیاں ہیچ اور بے مایہ ہیں، وہ قربانی نہ صرف محیر العقول ہے بلکہ وہ اس حقیقت سے پردہ ہٹاتی ہے کہ روئے زمین پر سب سے سخت آزمائش سے جن کو گذارا جاتا ہے وہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے، آخری نبی حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''سب سے سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے۔''

قربانی کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو سب سے پہلے جس کی قربانیوں پر نگاہ جاتی ہے وہ قربانی ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے پیش کی بلکہ ان کی پوری زندگی قربانیوں سے ہی عبارت ہے، ان قربانیوں کی قبولیت کئی جگہوں اور کئی انداز سے محبوب نے خود بیان کی اور ابراہیم کو اپنی محبت اور اپنی طرف سے خلیل بنائے جانے کا اعلان بھی کیا:

﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً﴾(البقرة: ١٢٤)

دوسری جگہ ان کی وفاداری کو بھی واضح کیا:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى﴾(النجم: ٣٧)

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾(النساء: ١٢٥)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا سب کو حکم دیا:

﴿واتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً﴾(النساء: ١٢٥)

اور صاف طور پر یہ بھی اعلان کر دیا کہ ابراہیمی طریقہ سے ہٹنے والا صرف کم عقل اور بے وقوف ہی ہو سکتا ہے:

﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ☆إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة: ١٣٠-١٣١)

اللہ نے حضرت ابراہیمؑ سے قربانیاں لیں اور انہوں نے ہر طرح کی قربانی پیش کی اور ہر طرح کی محبت کو مٹا کر اس خدائے واحد کی محبت کو اپنے دل کا مرکز بنایا، اسی محبت کا انعام امامت انسانی کا ملا اور مناسک حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انہی قربانیوں کی یادگار کے طور پر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خالص مشرکانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں، باپ بتوں کا پجاری اور پروہت تھا، گھر بتوں کی آماجگاہ بنا تھا، قربانی کی شروعات یہیں سے ہوتی ہے، باپ کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر باپ نے سمجھنا نہ چاہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام مخالفانہ ماحول میں توحید کی منادی کرتے رہے، مشرکانہ ماحول میں بتوں پر ضرب لگاتے رہے، اپنے مالک کی طرف خلق خدا کو دعوت دیتے رہے، گھر چھوڑ دیا اور خدا کے حکم پر بے آب

وگیاہ علاقے کو اپنی عارضی قیام گاہ بنایا، بیوی اور اکلوتے فرزند کو اسی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر خلق خدا کی رہنمائی کے لیے پھر نکل گئے، بیوی نے استفسار کیا تو فرمایا: حکم خداوندی ہے، کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ تشریف لاتے ہیں، اب بیٹا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا تھا، باپ کی انگلی پکڑ کر چلنے لگا تھا، باپ کی محبت کو محسوس کرنے لگا تھا اور اکلوتا تھا، باپ کی پوری توجہ کا محور، اس کے بڑھاپے کا سہارا، اس کی راحت وسکون کا ذریعہ لیکن ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں اور یہ امتحان بقیہ تمام امتحانوں سے زیادہ سخت، یہ آزمائش بقیہ تمام آزمائشوں سے زیادہ سخت، حکم ہوتا ہے خواب میں اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا جوان کی انکھوں کی ٹھنڈک، بڑھاپے کا سہارا اور شب تاریک میں مانگی گئی دعاوں کا نتیجہ تھا، نہ کوئی تاویل، نہ کوئی حیلہ بلکہ عشق حقیقی کا جام پی چکے باپ بیٹے کی اس لازوال داستان کو قرآن کس طرح پیش کرتا ہے، آیئے دیکھتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ......قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾(الصافات: ۱۰۰-۱۰۵)

قرآن مجید نے جس انداز سے اس قصہ کو بیان کیا ہے وہ بتاتا ہے کہ اللہ کی محبت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسا مست کردیا تھا، محبت الٰہی میں محویت کی کیفیت تھی، باپ نے اپنے فرزند سے کہا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کررہا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: اے میرے اباجان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کیجیے، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، تاریخ انسانی اس جیسی قربانی پیش کرنے سے عاجز ہے۔

انسانی زندگی کو بنانے اور سنوارنے اور اعلیٰ مقام تک پہنچانے کے لیے جس شخصیت کو نمونہ بنایا گیا، وہ اعلیٰ نمونہ حضرت ابراہیم کا ہے جس کی وفا شعاری کی گواہی خود خالق کائنات نے دی:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ﴾(النجم ۳۷/)

اور یہ گواہی صرف یوں ہی نہیں ملی بلکہ قربانی کی جتنی مثالیں ہوسکتی ہیں، ابتداء سے لے کر انتہاء تک سب سے ان کو گزارا گیا۔

عیدالاضحیٰ جو اسی قربانی کی یاد میں ہے جس میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے، ذرا غور کیا جائے اور اس قربانی کو اپنی نگاہ میں رکھا جائے جو باپ اپنے بیٹے کی دے رہا تھا، کیا وہاں واقعی قربانی بیٹے کی لینا مقصود تھی؟ نہیں! وہاں قربانی غیر اللہ کی محبت سے اپنے دل کو آزاد کرکے دینی تھی، وہاں اپنے محبوب کی محبت میں نہ اپنی جان کی پرواہ، نہ بیٹے کی پرواہ، نہ باپ کی فکر، نہ معاشرہ اور دنیاوی رسومات کی فکر، وہاں اپنے اللہ کو راضی کرنا تھا، ہم جو قربانی میں جانور ذبح کرتے ہیں، اس کی فضیلت اسی وقت ہے جب وہ قربانی خالص اللہ کے لیے ہو اور چھری چلاتے وقت دل سے یہی صدا آنی چاہیے کہ اللہ کی محبت کے آگے ساری محبتیں قربان، ہم اللہ سے بزبان حال یہ کہیں کہ مالک یہ جان تیری دی ہوئی ہے ہم اپنی جانیں تجھ پر قربان کرتے ہیں، تیری محبت ہمارے دل میں بسی ہے، ہم اپنی خواہشات سے اپنے طور وطریق سے اپنے رسومات سے سب سے تیری خوشنودی کے لیے دستبرداری کا اعلان کرتے ہیں۔

آج دیومالائی تہذیب کے نرغے میں رہتے ہوئے جہاں خالص مشرکانہ اور ملحدانہ ماحول ہے، جہاں ہر طرف ارتداد کی ایک لہر ہے، جہاں نوجوان چند سکوں میں بیچے اور خریدے جارہے ہیں، جہاں ایمان سستا ہوگیا، وہاں اسی ابراہیمی آواز کو بلند کرنے کی ضرورت ہے جس میں خالص توحید ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ...........حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ..الخ﴾(الممتحنة:٤)

آج اس قربانی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا محاسبہ کیا جائے اور اپنے ایمان کا از سر نو جائزہ لیا جائے، اپنے دل کو غیر اللہ کی محبت سے پاک کیا جائے، اس میں اس واحد ذوالجلال کی محبت پیدا کی جائے، جانور پر چھری چلاتے ہوئے ہر اس چیز پر چھری چلادی جائے جو مالک حقیقی سے دوری کا یا اس کی ناراضگی کا سبب بنے تبھی ہماری قربانی عنداللہ مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ (الحج ۳۷/) کہ اللہ تعالیٰ کو اس (جانور) کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ صرف تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔

# اسلامی وقف اور حکومت کا جارحانہ رویہ

محمد نجم الدین ندوی

نظام وقف، اسلامی تاریخ کا ایک شاندار کارنامہ اور بے مثال شاہکار ہے جس کا سلسلہ قرون اولیٰ سے چلا آیا ہے اور جس کی کوئی نظیر اسلام سے پہلے نہیں ملتی۔ ہر زمانہ میں وقف کی ضرورت، اس کی افادیت اور اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے، عہد گزشتہ کی تاریخ پر اگر ایک اچٹتی نظر ڈال لی جائے تو یہ حقیقت نکھر کر آتی ہے کہ بڑی بڑی تہذیبیں مصر و یونان اور ایران و ہند میں وجود پذیر ہوئیں اور جنھوں نے اقتصادی اور معاشی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا مگر وقف کے تصور تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔ مشہور فلسفی افلاطون کے نام سے کون واقف نہیں! اس نے سیاستِ مدنیہ اور تدبیر منزل کے قوانین واصول مدوّن کر کے شہرۂ جہاں کارنامہ انجام دیا مگر اس کی پروازِ فکر وخیال وقف کے نظام تک نہیں پہنچ سکی۔ دنیا کے بڑے عالی دماغوں نے معاشرہ کی اصلاح وترقی اور بہبود وفلاح کے لیے قوانین واصول تراشے مگر وقف جیسا کوئی اصلاحی وترقیاتی نظام وہ پیش نہ کر سکے۔

اسلام میں عبادات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کے نظام عبادت میں جہاں بدنی عبادات کا تصور ہے، وہیں مالی عبادت کو بھی بڑی اہمیت سے بیان کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز وروزہ کے پہلو بہ پہلو صدقہ وزکوٰۃ کے احکام بتائے گئے ہیں، مالی عبادت میں جس طرح زکوٰۃ کی فضلیت واہمیت اپنی جگہ برقرار ہے، اسی طرح وقف کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وقف بھی مالی عبادت کا ایک پہلو ہے اور صدقہ جاریہ کی ایک شکل، قرآن پاک کی متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں اِنفاق اور صدقات کا ذکر ہے، ایسے ہی متعدد احادیث وآثار میں ترغیب وتشویق دلائی گئی اور اس کی منفعت کا ذکر کیا گیا۔ وقف، اسلام کے مالی نظام میں انفاق کی تادیر باقی رہنے والی منفعت کی ایک شکل ہے، زکوٰۃ سے جہاں مسلم معاشرہ کو اقتصادی اور معاشی طور پر استحکام اور مضبوطی فراہم ہوتی ہے، وہیں وقف کا نظام اور اس کا نسخہ کیمیا عام انسانوں کی سماجی ورفاہی ترقی کا ذریعہ اور معاشی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

وقف کا اصل محرک ثوابِ آخرت کو حاصل کرنا اور رضائے الٰہی ہے اور لغوی اعتبار سے وقف کے معنی روکنے کے ہیں، وقف میں اصل موقوفہ چیز کو روک کر واقف کے حسبِ منشا کسی کارِ خیر میں خرچ کیا جاتا ہے، اس میں اصل چیز باقی رہتی ہے، اس لیے اس کو وقف کا نام دیا گیا ہے۔ وقف کا ایک دوسرا مفہوم بھی پایا جاتا ہے جس میں وہ تمام جائیداد ومقامات بھی آتے ہیں جو ایک لمبے عرصے سے دینی، مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لیے استعمال ہوتے چلے آئے ہوں جسے ''وقف بالاستعمال'' کہتے ہیں۔ بہرکیف! عام صدقات اور وقف کے مابین بنیادی طور پر فرق ہے، عام صدقات میں اصل چیز ضرورت مندوں کو دے کر اصل چیز کا مالک بنادیا جاتا ہے اور دیگر کسی اہل حق کو اس سے استفادہ کی اور اس کو اپنی ملکیت میں رکھ کر استفادہ کرنے کی اجازت نہیں، اس کے برخلاف وقف میں ایسا کچھ نہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ

''تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره''

(اصل شے کو اس طرح خیرات کرو کہ نہ وہ فروخت ہوسکے، نہ ہبہ ہوسکے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکے بلکہ اس کا منافع لوگوں کو ملا کرے۔)

وقف کی قانونی وشرعی تعریف یہ ہے کہ

’’کسی شے کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ کی ملک میں دے دینا اور اس کی منفعت کو فقر وغنا کا لحاظ کرے بغیر دائمی طریقہ پر رضائے الٰہی کی نیت سے اشخاص وافراد، اداروں یا مساجد ومقابر یا دیگر کار خیر کے لیے مخصوص کردینا۔‘‘

(مجموعۂ قوانین اسلامی: ۳۴۳، مطبوعہ دہلی)

جو چیز راہِ خدا میں وقف کی جاتی ہے وہ وقف والے کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں براہ راست چلی جاتی ہے:

”هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ“

(الرد مع الدر، كتاب الوقف)

یہاں اس پہلو کو واضح کردینا غیر ضروری نہیں کہ وقف کی تہہ میں صدقہ کا تصور موجود ہے کہ صدقہ میں دو خصوصیتیں خاص کر اہمیت کی حامل ہیں؛ ایک یہ کہ بندے سے کوئی بڑی لغزش اور گناہ ہوجائے تو خدا کی ناراضی اور غضب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صدقہ اس غصہ وغضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے:

”إن الصدقة لتطفئ غضب الرب“

(بلاشبہ صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھادیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھادیتا ہے۔)

”إن الصدقة لتطفئ الخطيئة“

اور خدا کی رحمت اور خوشنودی اسے حاصل ہوتی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایسا شخص بری موت سے بچتا اور محفوظ رہتا ہے جیسا کہ سنن ترمذی کی ایک حدیث سے تائید ملتی ہے۔

عہد اول میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعدد صحابہؓ نے رب کی خوشنودی کی خاطر جائیدادیں وقف کیں، جب قرآن پاک کی یہ آیت ﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا پسندیدہ باغ راہِ خدا میں وقف کیا، آیت بالا ’انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت وفضیلت واضح ونمایاں کرتی ہے، متعدد احادیثِ نبویہ میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی ترغیبات ہیں، ایک حدیث قدسی میں یہ الفاظ ہیں کہ

”أنفق يا ابن آدم أنفق عليك.“(البخاري:۵۰۳۷)

(اے ابن آدم! تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔)

ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ

”إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاث، صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له.“

(سنن الترمذي: ۱۳۷۶)

(مرنے کے بعد انسان کے تمام عمل کی راہ مسدود ہوجاتی ہے سوائے تین کار خیر کے جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہتا ہے؛ صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، نیک وصالح اولاد جو اس کے لیے (مغفرت اور رفع درجات کی) دعا کرے۔)

وقف کی یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو خیر وبھلائی کے کاموں میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ یہ عمل خیر انسان کا ذخیرۂ آخرت بنتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَلأنفُسِكُمْ﴾(البقرة:۲۷۲)

(اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے۔)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ

”إن ظل المؤمن يوم القيامة صدقته“(ابن خزيمه: ۲۴۳۲)

(بلاشبہ قیامت کے دن مؤمن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔)

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ صدقہ کرنے والے کے لیے قیامت کے روز اس کا صدقہ سائبان بن کر سایہ کرے گا جس کی وجہ سے اس شخص کو اس دن کی تپش اور تمازت سے بچائے گا۔

وطن عزیز ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنے اپنے عہد میں

انفاق فی سبیل اللہ اور وقف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہاں اوقاف کا ایک شاندار ماضی رہا ہے، یہاں پر اسلام کی آمد کے ساتھ اوقاف کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فیروز شاہی عہد میں اس میں خوب ترقی ہوئی، بعد کے عہود میں بھی سلاطین ہند نے حصہ لینے میں اہم کردار کیا، مگر افسوس کہ مسلم عہد سلطنت کے اواخر میں برطانوی عروج کے دور میں وقف قانون کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور شاطر دماغ انگریزوں نے وقف املاک میں خرد برد کیا اور ناجائز قبضے کرائے، یہاں تک کہ وقف املاک کی حفاظت کی بڑی جد وجہد ہوئی اور بالآخر مارچ ۱۹۱۳ء میں ''دی مسلمان وقف ویلیڈیٹنگ ایکٹ ۱۹۱۳ء'' کے نام سے ایک غیر مؤثر اور ناقص قانون منظور ہوکر نافذ کردیا گیا، اصلاح وترمیم کے ساتھ پھر سنہ ۱۹۲۳ء میں قانون وقف پاس ہوا جو کسی قدر اس وقت کے لحاظ سے بہتر تھا، ملک آزاد ہوا تو اس کے بعد اسی قانون کی اساس پر وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء کو منظور کرکے بطور قانون جاری کردیا گیا، پھر بھی اوقاف کی کما حقہ حفاظت نہیں ہوسکی، اس کے بعد جدوجہد کی ایک طویل داستان رقم کرنے کے بعد سینٹرل وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء کو منظوری ملی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایسی خامیاں تھیں کہ جن کے ہوتے ہوئے وقف کے مفاد عامہ کو نقصان پہنچتا تھا، یہی حال ۲۰۱۰ء کے جدید ترمیم شدہ وقف قانون کا ہے جو بغیر بحث ومباحثہ کے منظور کردیا گیا، سنہ ۲۰۱۳ء میں ملک کے مقتدر علماء واعیان کی جدوجہد سے وقف ایکٹ میں اصلاح وترمیم کرکے کسی حد تک خامیوں کو دور کردیا گیا اور ایک مضبوط وقف ایکٹ بن گیا، اگرچہ مسلمانوں کے مطالبے پورے نہیں ہوئے۔

ہندوستان میں اوقافی املاک بڑی تعداد میں ہے، سچر کمیٹی کی رپورٹ ہے کہ ۹/لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین اوقاف کی ہے، یہاں فوج اور ریلوے کے بعد سب سے زیادہ زمینیں اوقاف کے پاس ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہتوں کو یہ چیز کسی طرح بھا نہیں رہی ہے اور ملک کی مقتدرہ جماعت کا رویہ وقف اور اس کے قانون کے تئیں ظالمانہ اور آئین ہند کے متعدد دفعات کی خلاف ورزی پر مبنی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف ایکٹ ۲۰۱۳ء میں کسی قسم کی ترمیم اوقافی جائیداد اور املاک کی حیثیت ونوعیت کو بدل دے گی اور ان جائیدادوں واملاک کا ہڑپ کرجانا آسان ہوجائے گا۔ موجودہ حکومت کے لوگوں نے وقف ترمیمی بل پیش کیا اور دونوں ایوانوں سے منظور ہوکر صدر جمہوریہ کی دستخط بھی ہوگئی اور گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ بھی جاری ہوگیا، اس سلسلہ میں انصاف پسندوں اور مسلمانوں کے احتجاج اور جدوجہد کے باوجود قانون بن گیا اور نافذ بھی کردیا گیا۔

قانون وقف کے نفاذ پر اس کے مضر اثرات رونما ہونا شروع ہوچلے تھے، صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اگر اس قانون کو واپس نہ لیا گیا تو وقف املاک واراضی پر ناجائز تصرف اور جبری قبضوں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ ملک کے طول وعرض میں شروع ہوجائے گا، یہ ایسا قانون ہے جو آئین ہند کے سراسر خلاف اور براہ راست اسلامی شریعت میں مداخلت ہے، یہ قانون مسلمانوں کے مطالبہ پر نہیں بنا بلکہ یہ حکومتِ ہند کی طرف سے وقف کی آزادی اور خودمختاری کو کمزور کرنے کی کوشش ہے، اس پر بہتوں نے لکھا ہے، اس وقت بنیادی طور پر جس چیز کی ضرورت ہے وہ وقف قانون کو سمجھنے کی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کے نظام وقف کے تحفظ کا بھی مسئلہ ہے، اس لیے جدید وقف قانون کے خلاف عمومی تحریک جاری رکھنے اور دستور ہند کے دائرہ میں رہ کر ہر ممکنہ جدوجہد کرنا' نہ صرف دینی وملی فریضہ ہے بلکہ قومی فریضہ بھی ہے، ہمیں امید ہے کہ اقلیت کا اتحاد اکثریت کے نشہ کو اتارنے کے لیے کافی ہوگا، ساتھ ہی اوقافی املاک کے محافظین اپنی ذمہ داری بخوبی انجام دیں، اس سلسلہ میں کوتاہی کسی قسم کی نہ ہونے پائے کہ وہ بھی عندالناس اور عنداللہ مسئولیت سے آزاد نہیں ہیں۔

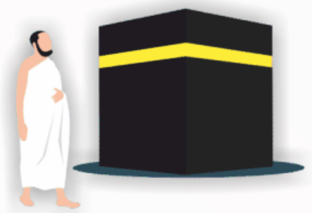

# فلسفہ حج

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ مال وزر، صحراء وبیاباں، آرام وآسائش کی پرواہ کیے بغیر کشاں کشاں دیارِ محبوب میں داخل ہوتا ہے، یہ خالق اور مخلوق کے درمیان عشق ووفا کا بے نظیر مظہر ہے، جہاں عاشق اپنے دل کی لگام اپنے محبوب کے سپرد کرکے اس کے ہر اشارے پر سرِ تسلیم خم کرتا ہے، عاشق کا دل ہیبتِ ایزدی، عظمت بیت اللّٰہی سے لرز رہا ہوتا ہے، محبوب کے تصور سے آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، زیارتِ روضہ حبیب ﷺ سے آنکھیں مخمور ہوتی ہیں، نہ چال میں قرار بچتا ہے نہ انداز میں سکون، بکھرے ہوئے بال، بدن پر سادہ سی دو سفید چادریں، بس ایک ہی دُھن، ایک ہی فکر، وارفتگی کے عالم میں کبھی منیٰ تو کبھی عرفات، کبھی طواف تو کبھی سعی، وہاں سب کی ایک سی حالت، نہ کوئی جرنل نہ کوئی کرنل، نہ کوئی شاہ نہ کوئی گدا، سب کا ایک سا لباس، سب کی ایک ہی منزل، جذبہ قربانی، ماسوا سے بے زاری اور محبوب کی خوشنودی ورضا کی طلب گاری، اس عاشقانہ انداز اور والہانہ افعال اور کچھ مخصوص ارکان کو ''حج'' کہتے ہیں۔

## حج کی اہمیت:

دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن حج ہے جس کو اللہ رب العزت نے ہر اسؤ مومن مرد وعورت پر فرض کیا ہے جو اپنے گھر کے معمول کے اخراجات کے بعد اتنی مالی استطاعت رکھتا ہو کہ سفرِ حج کے مصارف برداشت کرسکے۔

رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص خالصاً اللہ کے حکم کی تعمیل میں حج کرے، دوران حج فسق وفجور سے اجتناب کرے، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوکر لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حج وعمرہ محتاجی کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔''

(سنن ترمذی، کتاب الحج، حدیث: ۸۱۰)

حج ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تمام عبادات کی روح شامل ہے، اس میں ایثار ہے، قربانی ہے، وحدت واجتماعیت ہے، استغناء ہے، صبر ہے، مشقت ہے، بے قراری ہے، حج مبرور کا بدلہ جنت ہے۔

مقاصد حج میں فقط چند مقامات کی زیارت ہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے اخلاص ومحبت کا ایک تاب ناک قصہ ہے، حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ، حضرت اسماعیل علیہم السلام جیسی عظیم ہستیوں کے خلوص وعزیمت کی بے مثال داستان ہے۔

حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اعلان کردہ ایک عظیم مشن کا نام ہے:

﴿وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾

(لوگوں میں حج کا اعلان کردو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہوکر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہوگئی ہوں۔)

یہ آسمانی صدا ہنوز دلوں کو بلا رہی ہے، صدیاں اور زمانے بیت جانے کے بعد بھی انسانیت کو توحید کے محور پر جمع ہونے کی دعوت دے رہی ہے، یہ دعوتِ ابراہیمی سب کے لیے ہے کہ لوگ یہاں آئیں اور اپنے امام وپیشوا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ہر ہر ادا کی نقل کریں، طوافِ شوق ادا کریں، بے ساختہ بیت اللہ سے لپٹ جائیں، سعی کے دوران ماں کی ممتا وبے قراری کا عکس پیش کریں، کبھی منیٰ کی طرف روانہ ہوں، تو کبھی عرفات کے میدان میں اپنے

مولیٰ ربِّ کائنات کے حضور گڑگڑا کر دعا و مناجات کریں، رات مزدلفہ میں بسر ہو، پھر منیٰ کی طرف لوٹ پڑیں، اب تھکاوٹ سے بدن چور ہوگیا ہے، دل چاہتا ہے کہ پل بھر کو ذرا ستالیں، مگر محبوب کا حکم ٹالنے کی کس میں ہمت؟ قدم قدم پر سفر کی مشقتوں کو برداشت کریں، اپنی خواہشات کے بتوں کو پاش پاش کردیں، بس اسی کریم آقا کی جستجو میں دوڑ لگاتے رہیں، ''لبیک اللھم لبیک'' کی مقدس آواز سے اپنے کیے ہوئے دیرینہ عہد کو یاد کریں، خواہش دنیا اور ناپسندیدہ عادات سے آزاد ہوکر اپنے رب کے قریب ہو جائیں، منیٰ میں شیطانوں کو کنکری مارتے ہوئے شرک و شیطانی خیالات سے اپنی نفرت اور بے زاری کا اعلان کردیں، قربانی پیش کرکے حرص کے گلے پر بھی چھری پھیر دیں، نفس امارہ کو کچل کر دلوں کا تزکیہ کرکے پاک صاف ہو جائیں کہ قلب ہیرے کی طرح چمک اٹھے، انسانی ظرف بحر بے کراں کو اپنے اندر سمیٹ لے، ہزاروں در سے ٹھوکریں کھائے ہوئے لوگ اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لوٹ پڑیں، جو کچھ نہیں تھے وہ سب کچھ سے اپنا تعلق جوڑ لیں۔

یہی ہے وہ روح جس کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾

(تاکہ وہ اپنے لیے فوائد کا مشاہدہ کریں۔)

پھر ساتھ ہی ''مَنَافِعَ لَهُمْ'' میں اہم نکتہ یہ بھی ہے جو ہر صاحبِ فکر کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ زیر سایہ خانہ خدا ہر سال ہر رنگ ونسل، زبان و علاقے، ہر تمدن وثقافت سے وابستہ لاکھوں لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی لباس میں ایک ہی نعرہ کے ساتھ نکتہ مرکز توحید پر جمع ہوں، امت کے مشترکہ مسائل باہمی غور وفکر سے حل ہوں اور ان کے عملی اقدامات طے کرنے کے مواقع ملیں، یہاں سے فرد وامت کی تشکیل نو ہو، یہ اسلامی اتحاد واجتماعیت اور امت سازی کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ اب اس دربار میں پہنچتے ہی سب یکساں ہوگئے، نہ چودھریوں کی چودھراہٹ بچی، نہ کسی کا جاہ وحشم، بس لاکھوں کا مجمع صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ گیا، سب کی ایک ہی پکار ہوگئی ''لبیک اللھم لبیک''، یہ عزت وروحانیت، اتحاد، شان وشوکت کا مظہر ہے، یہ معاندین اسلام کے سامنے امتِ مسلمہ کی عظمت اور خدا کی لازوال قدرت پر ان کے اعتماد کی نشانی ہے، یہ مشرکین سے اظہار بے زاری اور مؤمنین سے اظہار انس ویکجہتی ہے، یہ ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کی تصویر ہے۔

الغرض حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں دینی ودنیاوی، سیاسی وسماجی ہر قسم کے فوائد شامل ہیں، اگر اس شعور کو زندہ رکھا جائے تو حج امتِ مسلمہ کی بیداری، اجتماعیت اور تعمیری انقلاب کا نقطہ آغاز بن سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ امتِ مسلمہ کو حج کے مقاصد ومصالح کو سمجھنے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

## حج - ایک متاثر کن عبادت

حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''حج اسلام کا وہ رکن ہے جس نے اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی متاثر کیا ہے، اس کے ظاہری منافع، اجتماعی مصالح اور روح پرور مناظر پر اسلامی دنیا ہی نہیں، غیر اسلامی دنیا نے سیکڑوں نہیں، ہزاروں بار رشک کیا اور کیوں نہ کرے؟! تہوار وہ بھی مناتے ہیں، یاترائیں ان کی بھی نکلتی ہیں، نمائشیں ان کے یہاں بھی لگتی ہیں، میلوں ٹھیلوں کا سلسلہ ان کے یہاں بھی چلتا ہے، بھیڑ ان کے یہاں بھی نظر آتی ہے، پوجا پاٹ ان کے یہاں بھی ہوتی ہے، مذہبی مقامات میں حاضری ان کے یہاں بھی دی جاتی ہے لیکن کیا کہیں کوئی جوڑ نظر آتا ہے ان میں سے کسی چیز کا حج کے ایام سے، ارکان حج کی ادائیگی سے، منیٰ کے قیام سے، عرفات کی حاضری اور گریہ وزاری سے، مزدلفہ کی رات سے، دس بیس نہیں چالیس چالیس لاکھ افراد کی ایک ساتھ منتقلی سے، کعبہ کے سایہ میں پڑھی جانے والی نماز سے، حجر اسود کو بوسہ دینے کی بے قراری سے، روضہ اقدس پر پڑھے جانے والے درود وسلام سے اور گنبد خضراء کو دیکھ کر دل پر پڑنے والے اثرات سے؟!''

# قربانی کا وسیع مفہوم اور عالم گیر پیغام

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ذی الحجہ کا مہینہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ واسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی تاریخ ساز سنت کا یادگار ہے، دنیا بھر میں ہر سال مسلمان اس سنت پر عمل کرتے ہیں اور بے شمار جانوروں کی قربانی پیش کر کے گویا یہ اظہار کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ایمان اور اس کے تقاضوں کے سامنے ہر تقاضا ہیچ ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ مہنگائی کے اس دور میں مختلف علاقوں میں لوگ بیش قیمت جانور خطیر رقمیں ادا کر کے خریدتے ہیں اور پھر بے دریغ ان کا خون اس لیے بہا دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا ایک حکم اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔

ضرورت ہے کہ قربانی کے اس مفہوم کو ذی الحجہ کی مخصوص تاریخوں میں محدود کر کے اس کے پیغام کو کوزے میں بند نہ کیا جائے بلکہ اس کے آفاقی پیغام کو سمجھا جائے اور جدید دور میں عصری تقاضوں کے مدنظر اس کے مفہوم کو سمجھنے میں وسعت پیدا کی جائے۔

عصر حاضر کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ امت مسلمہ اقوام عالم کے سامنے بحیثیت امتِ محمدیہؐ کے اپنی شناخت اور اپنا تشخص تسلیم کرائے، بحیثیت ایک قوم کے عالمگیر سطح پر اپنی نافعیت کا لوہا منوائے اور بحیثیت ایک امتِ دعوت کے اس دنیا میں اپنے وجود کی ضرورت واہمیت کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اس کی خاطر اگر اسے مشکل سے مشکل ترین اور عظیم سے عظیم ترین قربانیاں بھی پیش کرنی پڑیں تو وہ اس میں پیچھے نہ رہے، اگر اس امت کے افراد کو اس کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑنا پڑ جائیں تو وہ ایک لمحہ بھی تردد نہ کریں، اگر اس سلسلہ میں انہیں اپنی اولاد کی قربانی دینے کی نوبت آجائے تو بھی انہیں ذرا تذبذب نہ ہو، اگر انہیں اپنی تجارت سرد پڑ جانے کا خدشہ ہو تو بھی وہ ہر حال میں لبیک کہنے کو تیار ہوں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور بالخصوص ان کی قربانی کا عمل اسی حقیقت کا بہترین ترجمان ہے۔

یہ دور محض جذبات کی رَو میں بہہ جانے اور بلند وبانگ دعووں سے مسحور ہونے کا نہیں ہے بلکہ اس وقت ضرورت ہے آہنی عزم، عاقلانہ نظم اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کی، جو قومیں سنجیدگی اور ٹھنڈے دماغ سے سوچ سمجھ کر اپنی پالیسیاں بناتی ہیں ان کے اثرات بھی دیرپا ہوتے ہیں، اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دو منٹ کسی سے ہنس کر بولنے سے حالات میں تبدیلی آجائے گی، کسی ہنگامی موقع پر کسی کی مدد کر کے ہم فاتح کہلائیں گے، یا دعوت وتبلیغ کی رسمی خانہ پری کر کے ہم انقلاب لے آئیں گے، تو یقیناً یہ ہماری غلطی ہوگی۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ کام بہت مبارک ہیں اور خیر کا ہر کام اپنی تاثیر سے خالی نہیں، اس کی بہر حال اپنی ضرورت واہمیت ہے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور دین وشریعت کے آگے ہر تقاضے کو قربان کرنے کی ضرورت ہے، یہ وہ جذبہ ہے جو ہمارے اندر فولادی صلابت اور حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا کرے گا، یہی وہ جذبہ ہے جس کے نتیجہ میں حیرت انگیز کارنامے ظہور پذیر ہوتے ہیں، یہی وہ جوہر ہے جس کی تاثیر سے دنیا کی قومیں جھکتی ہیں اور اپنا مقتدیٰ تسلیم کرتی ہیں اور یہی وہ ہتھیار رہے جس کے ذریعہ مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں عزت وعافیت، امن وسلامتی اور پوری نافعیت کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس وقت کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی صفوں میں عمومی طور پر اسی جذبہ کا فقدان ہے، اس وقت سب سے بڑھ کر اسی جذبہ کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

ماہِ ذی الحجہ میں قربانی کی سنت ہر سال ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ ہمیں اپنے اخلاق وکردار، طرز زندگی اور جذبات وکیفیات کو شریعت مصطفویؐ کے سامنے سرتسلیم خم کرنا ہے، ہمیں اپنے تقاضوں اور ترجیحات پر دین وملت کے تقاضوں اور ترجیحات کو مقدم رکھنا ہے، ہمیں اپنے اندر دین کی ایسی فکر اور تڑپ پیدا کرنی ہے کہ اس کے ایک ایک جز پر عمل ترک کرنے سے ہماری طبیعت افسردہ ہوجائے اور ہمارے آس پاس کے ماحول کو یہ محسوس ہو کہ انہیں اپنے دین کی جزئیات بھی حد درجہ عزیز ہیں اور اس کے لیے یہ کوئی موہوم خطرہ بھی مول لینے کو تیار نہیں ہیں، ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اگر سماج میں ہم احکام الٰہی اور سنت رسولؐ کی پامالی ہوتے دیکھیں تو ہم اسی طرح غیرت وحمیت سے بلبلا جائیں جیسے ایک مچھلی پانی سے باہر نکالے جانے پر موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہوجاتی ہے، ہمارے انداز گفتار وکردار سے یہ بات محسوس ہونی چاہیے کہ ہمارے لیے راشن پانی کا بند کیا جانا، یا زندگی کی تمام مصنوعی ومادی سہولیات سے محروم کردیا جانا ہمارے لیے اس کے مقابلہ میں کوئی معنی نہیں رکھتا کہ ہم دین وشریعت کے کسی ایک جز سے بھی دست بردار ہونے کا اظہار یا اعلان کریں۔ موجودہ حالات میں ہماری دینی وملی غیرت وحمیت کا یہ سب سے بڑھ کر تقاضا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے احقاق حق کی راہ میں اپنوں اور پرایوں سب سے دشمنی مول لی، دین حنیف کے خلاف تمام آوازوں کو باطل قرار دیا، آسمانی تہذیب کی بہت کھل کر دعوت دی، مشرکانہ تصورات پر بڑی جرأت کے ساتھ نکیر کی، نفع وضرر اور موت وحیات کس کے ہاتھ میں ہے؟ یہ سب حقائق بڑی وضاحت سے پیش کیے، جب قوم نے ان کے افکار وتخیلات سے اختلاف کیا تو ان سے ایک فاصلہ بنایا، ان کے ساتھ نشست وبرخاست میں پرہیز کیا اور اپنی ایک الگ دنیا بسائی، یہاں تک کہ نوبت آخری درجہ کی قربانی دینے والی آگئی، مگر آپ کے نزدیک یہ حقیقت سب سے بڑھ کر تھی کہ اس راہ میں ہم ہر طرح سے جان کا نذرانہ لیے سینہ سپر ہیں، چنانچہ جب آتش کدۂ آذر میں کودنے کی گھڑی آئی تو بے خوف وخطر کود پڑے مگر اللہ نے اپنا فضل کیا اور بہ حفاظت آگ سے نکال لیا۔ راہِ خدا میں احقاق حق کا یہ وہ جذبہ تھا جس کے سامنے حضرت ابراہیم نے ہار نہ مانی اور جان کی بازی لگادی، نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت نے ایک فطری چیز کی تاثیر کو سلب کرلیا۔ پھر جب یہ محسوس کیا گیا کہ وہی ابراہیم جو دین حق کی خاطر آگ میں کود پڑے تھے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اب ان کے اس جذبہ پر شفقت پدری کا جذبہ غالب ہوگیا ہو، قدرت خداوندی نے یہ امتحان بھی لیا کہ بیٹے ہی کے گلے پر چھری چلانے کا حکم دے دیا، مگر وہ اس میں بھی سچے اور کھرے ثابت ہوئے اور ایک لمحہ تذبذب کا شکار ہوئے بغیر انہوں نے حکم کی تعمیل فرمائی، جس کے نتیجہ میں دوسری مرتبہ یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ فطری چیز (چھری) کی تاثیر سلب کرلی گئی اور اللہ نے اس کے بدلہ ذبح عظیم کی دولت ونعمت سے نوازا۔

اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اگر آدمی کے اندر جذبہ سچا ہو، دین کی اس کے اندر ایک فکر اور دُھن ہو، خدا کی محبت سے بڑھ کر اس کے سامنے کوئی محبت نہ ہو، شریعت کے تقاضے سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی چیز اہم نہ ہو اور وہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کا جذبہ وحوصلہ رکھتا ہو تو یقیناً اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے، سخت سے سخت حالات کا دھارا بدل جاتا ہے، حقیقت میں یہ وہ ہمالیائی عزم وارادہ ہے جو بڑے بڑے طوفانوں اور یورشوں کو اپنی کلائی سے موڑ ہی نہیں مروڑ دیتا ہے۔ قربانی کے مسنون موقع پر آج ضرورت ہے اسی عزم وحوصلہ کو زندہ کرنے کی، اسی جذبہ کو موجزن رکھنے کی اور اسی فکر کے ساتھ آگے بڑھنے کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر آج بھی مسلمان اسی روح کے ساتھ میدان عمل میں آجائیں تو یقیناً یاس وناامیدی کے بادل چھٹ جائیں گے، ان کے لیے اشیاء کے خواص بدل جائیں گے اور دنیا ان کے قدموں میں ہوگی۔

# افاداتِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

مرتب:- مولانا جمال ملپا ندوی بھٹکلی

## فیوض باطنی کے لیے باھمی مناسبت شرط ھے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارواح لشکر کے لشکر ہیں جو (عالم ارواح میں) مجتمع تھیں، جن میں وہاں باہم جان پہچان ہوئی ان میں (یہاں بھی) باہم الفت ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلافِ مزاج ہے۔'' (ابوداؤد و مسلم)

یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لیے پیر و مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے۔ اس حدیث کے عموم میں یہ مناسبت بھی داخل ہے، کیوں کہ نفع عادۃً الفت پر موقوف ہے جو مناسبتِ فطری کی حقیقت ہے اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے (بعض دفعہ) دوسرے شیخ کے پاس جس سے مناسبت مظنون یا مکشوف ہو، بھیج دیتے ہیں، کیوں کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی ضروری چیز ہے۔ بدونِ مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبت شیخ (جو افاضہ و استفادہ کا مدار ہے) کے معنی ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو، گو عقلی ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے لہٰذا پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اس کی سخت ضرورت ہے، جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات، مکاشفات سب بے کار ہیں، کوئی نفع نہ ہوگا، اس لیے جب تک پوری مناسبت نہ ہو، بیعت نہ کرنی چاہیے، جب پوری طرح راہ پر پڑ جائے، خوب محبت اور مناسبت ہو جائے اس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔ (اشرف الطریقہ فی الشریعہ والحقیقہ، ص: ۶۱-۶۲)

فرمایا کہ سلوک شروع کرنے سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ چند یوم شیخ کی خدمت میں رہے تا کہ اس کے عادات وحالات سے پوری پوری آگاہی حاصل ہو جائے، کیوں کہ یہ معرفت مبادی میں سے ہے اور جب تک مبادی کسی فن کے ذہن میں نہ ہوں، مقاصد میں چل نہیں سکتا۔ (ملفوظات حکیم الامت، ص: ۷۶)

## بیعت کی حقیقت:

پیری مریدی یا بیعت وارادت کی حقیقت وضرورت میں بہت افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے، ایک طرف اس کو سرے سے بعضوں نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی و پاپوسی کر لی، خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں، حالانکہ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا۔ اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا۔ اگر چہ رسمی مرید کسی سے بھی نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے برکات کچھ نہیں لیکن اس کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے، شیخ اس کی تعلیم وتلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کار آمد ہوتا ہے، اگر چہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم حاصل ہو، تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ جو کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضا سے دخولِ جنت ولقاءِ حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اتباع کا عہد یہی پیری مریدی کی حقیقت ہے اور گو یہ تعلیم بدون بیعتِ متعارفہ یعنی مشہورہ بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعاً یہ خاصہ ہے کہ شیخ کی توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاسِ فرماں برداری زیادہ ہو جاتا ہے۔

(اشرف الطریقہ فی الشریعہ والحقیقہ، ص: ۵۲-۵۳)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 17 ⚜ June 2025 ⚜ Issue: 06

# سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

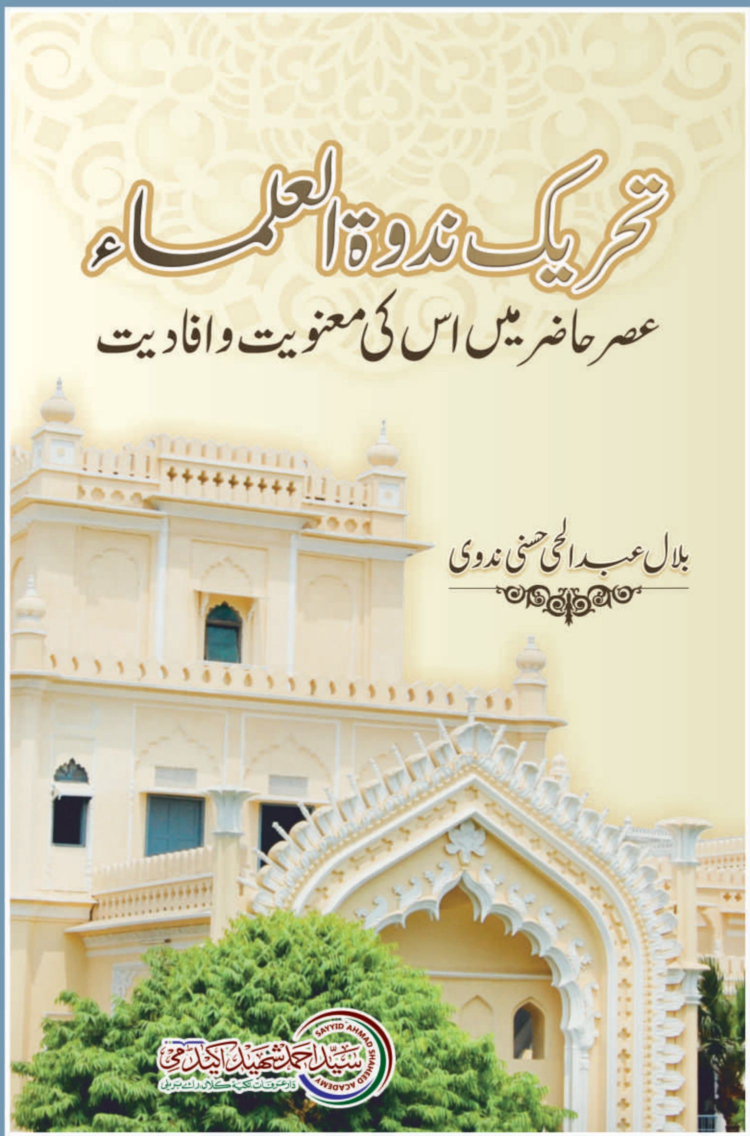


Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
**MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI**
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)